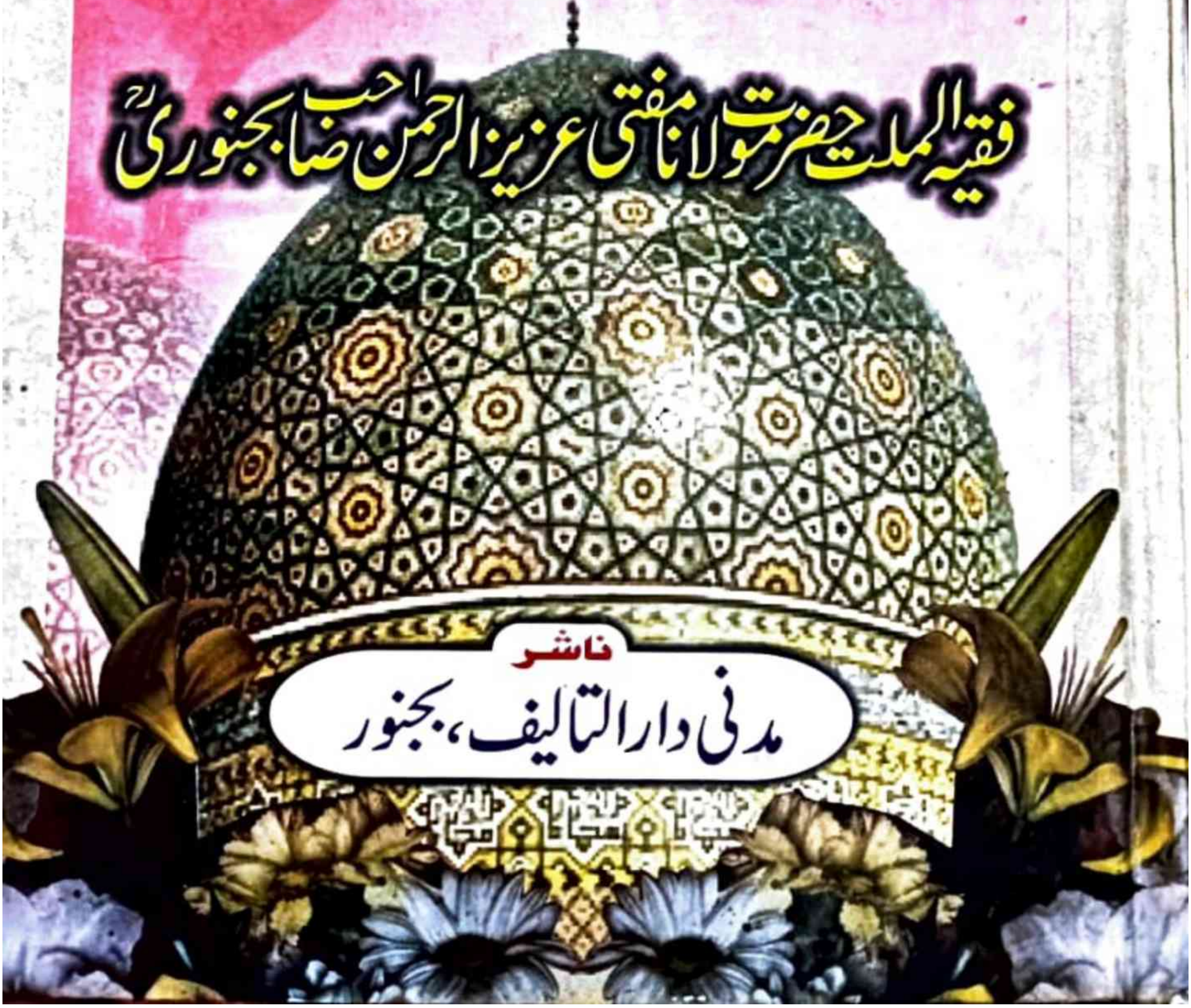
تذکرہ دیر و حرم

خود نوشت سوانح

فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوریؒ



ناشر

مدنی دار التالیف، بجنور

تفصیلات

نام کتاب	:	تذکرۂ دیر وحرم
ترتیب وتزئین	:	مفتی عبید الرحمٰن صاحب
سن طباعت	:	محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
تعداد صفحات	:	۳۲۰
کمپوزنگ	:	(مفتی) عابد الرحمٰن مظاہری، بی اے،
ملنے کے پتے	:	▼ انجمن ترقی اُردو، جامع مسجد دہلی ▼ مکتبہ نعمانیہ دیوبند ▼ مکتبہ نعیمیہ دیوبند ▼ مدنی دار التالیف، محلّہ مردھگان، بجنور

قیمت:

ناشر

مدنی دار التالیف، بجنور

پہلا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ اپنے بارے میں

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم
چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

بہت سے اکابر نے اپنے احوال اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں، جن سے آج بھی فائدہ ہوتا ہے۔ میں اکابر میں سے تو نہیں ہوں، تاہم ان کا کفش بردار ضرور ہوں۔ اس نسبت سے جو مجھے فائدہ ہوا یہ بھی انھیں کا فیضِ صحبت ہے ؂

ورنہ من آنم کہ دانم

اور بقول شیخ سعدیؒ:

گِلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم لیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

وطن اور خاندان

میری جائے پیدائش اور وطن شرفاء اور اہل علم کی بستی اس ضلع بجنور کا ممتاز ترین قصبہ ''نہٹور'' ہے۔ اس قصبہ کی بیشتر آبادی شرفاء، اہل علم اور زمین داروں کی تھی، جو دو طبقوں میں تقسیم تھے۔ جنوب کی طرف تیاگی صاحبان زمیں دار تھے، جن کے بڑے بڑے بلند مکان آج بھی ان کی شرافت اور ریاست کی علامت بنے ہوئے ہیں، مگر اب وہ بات نہیں۔

جس کو کہتے شرافت ہیں، شر و آفت ہے بس
''ست'' ریاست سے گیا صرف ''ریا'' باقی ہے

مشرق کی طرف اہل سادات تھے۔ جو بھی پڑھے لکھے اور زمیں دار تھے۔ باہر اونچے اونچے عہدوں پر بھی ملازم تھے۔ تعزیوں کے دنوں میں میں نے مذکورہ دونوں طبقات ہندو مسلم کو بارہا شیر و شکر ہوتے دیکھا ہے۔

لیکن میری پیدائش اسی قصبہ کے ایک مزدور اور غریب خاندان میں ہوئی۔ جنوری ۱۹۲۷ء تاریخ پیدائش میری مڈل کی سند پر لکھی ہے۔ میرے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور دادا کا نام حسین بخش اور پردادا کا نام حافظ اللہ دیا۔ جو غدر ۱۸۵۷ء میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ ضلع بجنور کے ایک قدیم قصبہ ''منڈاور'' کے باشندہ تھے۔ میرے دادا نے اسی دور میں نامعلوم کس طرح قصبہ نہٹور سے متصل موضع ترکولہ میں پناہ لی اور ان کی پرورش ایک سید کے گھر میں ہوئی۔ بالغ ہونے پر انھوں نے میرے دادا کا نکاح مسماۃ ''مجیداً'' سے کر دیا۔ ان سے چار لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ان سب کی شادیاں خاندانِ شیوخ میں ہوئیں۔ اس طرح میں ''نجیب الطرفین'' ہوں۔ لیکن غربت اور افلاس کی وجہ سے ہمارا خاندان کبھی جہالت سے باہر نہ نکل سکا۔ گھاس کھودنا، مزدوری کرنا میری خاندانی پیشہ رہا۔ اور یہ کام میں نے بھی بچپن میں کیا ہے۔

میری دو بہنیں تھیں، ان کا میں تنہا ایک ہی بھائی تھا۔ میری والدہ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا کہ جب میری عمر صرف چار سال کی ہوگی۔ دبلا اور نحیف ہونے کی وجہ سے میرا نام ''سوکھا'' رکھا گیا اور ''چھدو'' بھی مجھے پکارتے تھے۔ ''عزیز الرحمٰن'' میں نے اپنا نام خود تجویز کیا تھا۔ اس وقت میں مڈل کلاس میں پڑھتا تھا۔

یہ بات آئندہ مفید ثابت ہو سکتی ہے کہ میرے والد نے اپنا دوسرا نکاح موضع ''کوٹ قادر'' کے سادات کے خاندان میں ایک سید کی بیٹی سے کیا تھا۔ سوئے اتفاق اسکی عمر چودہ سال تھی جب کہ میرے والد کی عمر ۵۰/ سال کی۔ ہماری پرورش میری تائی نے کی اور وہ لاولد تھیں۔ اپنے گھر کی اس کمزوری کی وجہ سے ہوش سنبھالتے ہی میں خود اپنی فطری حیاء

کی بناء پر اپنے گھر سے دور تنہائی میں رہا۔ یکسوئی کی بچپن والی عادت نے مجھے تحصیل علم اور دیگر کاموں میں بہت فائدہ پہنچایا اور آج بھی میری یہی عادت ہے۔

میری تعلیم اور تربیت

تربیت کو میں جانتا نہیں لیکن جہاں تک میری تعلیم کا معاملہ ہے مجھے پڑھنے کیلئے کسی نے آمادہ نہیں کیا تھا۔ میری عمر آٹھ سال کی ہوگی کہ میں اپنے ایک پڑوسی لڑکے محمد یوسف کے ساتھ اسکول پڑھنے چلا گیا، الفاظ اور حروف سمجھنے میں آنے لگے تھے۔ اس لئے از خود ہی الفاظِ مرکب کو ملا کر پڑھ لیتا تھا، اس لئے ابتدائی درجات جلد طے کر گیا۔ مجھے پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ چلتے چلتے کتاب پڑھا کرتا تھا۔ بڑے درجات میں پہنچنے کے بعد میری ہمیشہ یہ عادت رہی کہ سالانہ امتحان کی چھٹیوں میں کتابیں لے کر اگلے درجہ کی تیاری کیا کرتا تھا۔ نہٹور سے بجنور جاتے وقت پیدل سولہ میل کا سفر کتاب پڑھتے پڑھتے طے کیا کرتا تھا۔ حساب اور دیگر مضامین میں میرے نمبر بہت عمدہ تھے۔ اس لئے مڈل میں فرسٹ کلاس اور ریاضی ممتاز پوزیشن میں پاس ہوا۔ اسی سال میں نے اپنا نام درخواست دے کر تبدیل کرایا تھا۔ اور ''عزیز الرحمٰن'' رکھا تھا۔ یہ بات غالباً ۱۹۴۲ء کی ہے۔

میرا دینی شعور بالکل مفقود تھا، کیونکہ ماحول ہی دینی نہ تھا، جہالت اور بے دینی کا یہ عالم تھا کہ صرف عیدین اور رمضان شریف میں جمعہ کی نماز پڑھ لینا ہی بڑی دینداری تھی۔ دیوالی میں چراغاں، ہولی کی آگ پر پانی گرم کر کے بہت دنوں تک رکھنا، تعزیوں کے نیچے کو نکلنا وغیرہ وغیرہ یہ ہمارا معاشرہ اور معمول تھا۔

تلاشِ معاش

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہمارا گھرانہ مزدور کا گھرانا تھا۔ مڈل سے آگے پڑھنے کے امکانات نہ تھے۔ عمر بھی تقریباً سولہ سال کی ہوگئی ہوگی کہ میں نے بھی شروع میں چارپائی بننے اور کریشروں میں گنا ڈھونے، باغاتی فصل گھیرنے کی مزدوری کی ہے۔ کچھ دن نَل گاڑنے کا کام بھی کیا ہے۔ اور کچھ دن بجنور شوگر مل میں بھی نَل گاڑے ہیں۔ آخر میں ایک مسلمان انسپکٹر آف اسکولس آگئے تھے، انھوں نے مجھے پرائمری اسکول کا ماسٹر مقرر کر دیا۔ ایک گاؤں جس کا نام ''محمود پور''

ہے، اور کوتوالی و نہٹور کے درمیان میں ہے، پڑھانے لگا۔ ماسٹروں میں سب سے چھوٹا اور کم عمر ماسٹر میں ہی تھا۔ لوگ مجھے ''چھوٹا ماسٹر'' کہا کرتے تھے۔ مگر میری علمی قابلیت کے سب معترف تھے۔ میں خوب پڑھاتا تھا۔ اس زمانے میں غالباً ساڑھے اکیس روپے ماہانہ ملتے تھے۔ اب تو میں دھیرے دھیرے گنجائش دار ہونے لگا تھا۔ کپڑے بھی اُجلے پہننے لگا تھا۔ سر پر انگریزی بال سلیقے سے رکھتا تھا۔ ہفتے میں ایک دفعہ داڑھی بھی منڈاتا تھا۔ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میں پھر عرض کرتا ہوں ؎

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی　　　اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

زندگی میں انقلاب

انھیں کی مطلب کی کہہ رہا ہوں　　　زبان میری ہے بات ان کی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں　　　چراغ میرا ہے رات ان کی

اور اپنا حال تو ہمیشہ یہ رہا ہے ؎

سودہ گشت از سجدہ پیش بتاں پیشانیم　　　چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

غالباً ۱۹۴۸ء کی بات ہے، اتنا اندازہ ہے کہ سبزیوں کے دن تھے، کہ میں صوفی رحمت اللہ صاحب نائی کی دوکان پر داڑھی منڈانے گیا تھا، غالباً دو آدمی اور مجھ سے پیشتر تھے، میں نے فرصت کو غنیمت جانا، ان کی چوکی پر پڑے رسالے ''مولوی'' کو پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا قصہ لکھا تھا، اس کے پڑھنے سے دل کی حالت بدل گئی، جب میرا نمبر آیا تو میں نے صوفی جی سے عرض کیا کہ سر پر اُسترا پھیر دو، اور داڑھی کا خط بنادو۔ انھوں نے ایک دو مرتبہ میرے منھ کو دیکھا اور پھر میرے کہنے کے مطابق اپنا کام شروع کر دیا، گھر آکر میں نے کالروں کو کاٹ دیا، پائجامہ کی مہری چھوٹی کرادی، مجھے یاد ہے کہ عصر کی نماز میں جدید حلئے کے ساتھ پڑھنے گیا، وضو کرنا بھی نہ آتا تھا اور دوسرے کو دیکھ کر وضو کیا، اور دوسرے کو دیکھ کر نماز کیا پڑھی نقل اُتار دی، ہدایت میرا انتظار کر رہی تھی، شام کو بازار گیا تو ایک حلوائی نے ایک اُردو کی کتاب مجھے دی، سرِ ورق نہ تھا، اس لئے اس نسخۂ کیمیا اثر کا نام

بھی معلوم نہ ہوسکا، آج بھی اس کا ایک جملہ یاد ہے ۔

''اگر تو پیا کی نظر میں محبوب بننا چاہے تو مانجھے کا جوڑا پہن کر کونے میں بیٹھ جا''

میں نے ایسا ہی کیا۔ ہمارے محلّہ میں ایک بوڑھی عورت ''بشیراً'' رہتی تھی۔ نماز کی کتاب اور ''عم یتساءلون'' کا پارہ میں نے اس سے پڑھنا شروع کردیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے میری دینی تعلیم کی سب سے پہلی استاذ ہے۔ پارہ عم ختم کرنے کے بعد اپنے محلّہ کے مکتب میں جاکر قرآن شریف پڑھنا شروع کردیا۔ داڑھی بھی کافی بڑی ہوگئی تھی، تہجد کی نماز اور اشراق اور اوّابین کی نماز بھی پڑھنی شروع کردی۔ قرآن شریف میں نے دو آدمیوں سے پڑھا۔ صوفی عبدالرحیم صاحب اور قاری عبداللطیف صاحب، صوفی رحمت اللہ صاحب نے میری رہنمائی کی۔ نگینہ کے شاہ محمد یٰسین صاحبؒ-خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ-نہٹور بہت آیا کرتے تھے، ان کی کتابوں اور مریدوں سے ذکر جہری پاس انفاس سیکھا۔ میں خوب ذکر کیا کرتا تھا۔ ذکر کے بہت عمدہ اثرات میرے قلب پر وارد ہورہے تھے۔ دعاء کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرما۔ دل میں خیال آتا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ مگر ہدایت تو میرے گرد گھوم رہی تھی، اجتبائیت نے بھی ہاتھ تھام لیا تھا۔ جامع مسجد کے مدرسہ میں حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب گنگوہی (شاگرد رشید حضرت شیخ الہند، اور ہم سبق حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) کے سامنے آمدنامہ اور پھر گلزار دبستاں اور پھر میزان منشعب، نحومیر پڑھنا شروع کردیا۔ یہ ۱۹۲۹ء کا زمانہ تھا۔ ایک سال میں میں نے قدوری، کافیہ تک پڑھ لیا۔ دوسرے سال شرح جامی، شرح وقایہ، کنز الدقائق، نور الانوار، اور منطق کی کتابیں **نفحة اليمن**، سب پڑھ ڈالیں۔ پوری پوری رات پڑھا کرتا تھا۔ بس استاذ کا کام تو اتنا تھا کہ وہ سن لیا کرتے تھے۔ میں تنہا پڑھنے والا تھا اور وہ تنہا پڑھانے والے تھے۔ سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہا کرتا تھا۔ دن میں تین تین، چار چار مرتبہ سبق ہوا کرتا تھا۔ بہت جلد میں نے سب کتابوں کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اور مزید یہ کہ دوسرے سال کی ایک طالب علم محیی الدین سلمہ (۱) ان کو میں نے شرح مائة عامل

(۱) آج کل بھی نہٹور میں مکان خرید کر مقیم ہیں۔ تعویذات کا کام کرتے ہیں تھے پوریہ کے نام سے مشہور ہیں۔

ہدایۃ النحو بھی پڑھانا شروع کردی تھی۔ وہ دن اور آج کی تاریخ پڑھانے کا مشغلہ میرا ہمیشہ رہا۔ دیوبند رہا تو وہاں پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔

عمر ۲۵ سال کی ہو چکی ہوگی۔ جلد اور زیادہ پڑھنے کا شوق تھا۔ ہماری بستی میں ایک مولانا ظل الرحمٰن صاحب رہا کرتے تھے۔ دوکان کرتے تھے۔ ان کی خوشامد کر کے ان سے مختصر المعانی بعد مغرب پڑھنا شروع کردی۔ انھوں نے اپنے گھر سبزی لگا رکھی تھی اور ایک چھوٹا کنواں بھی کھدوالیا تھا۔ پہلے میں ان کی سبزی کو پانی دیتا اور پھر وہ سبق پڑھاتے۔ رات دن ایک دھن سوار تھی۔ مجبوراً سویا کرتا تھا۔ نیند کا آنا مجھے برا معلوم ہوتا تھا۔ رات کا مشغلہ کتابوں کو پڑھنا اور ذکر تھا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس وقت میری بہت اچھی حالت تھی۔ بعد میں وہ حالت نہ رہی۔ فارغ التحصیل مولانا اور مفتی تو ہو گیا مگر وہ بات کہاں؟ ؎

سودہ گشت از سجدہ پیش بتاں پیشانیم چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

ہاں! یہ تو عرض کرنا بھول ہی گیا، مجھے شاعری کا شوق تھا۔ پہلے ''زہد'' تخلص تھا اور مولانا ہونے کے بعد ''محسن'' تخلص رکھ لیا۔ اُردو ادب کی بہت کتابیں میرے پاس تھیں۔ بہت سے دیوان بھی تھے۔ سب کو فروخت کر کے میں نے دینی کتابیں خریدیں۔ شروع ہی سے درسی کتابیں، ان کی شروحات بہت تھیں۔ جب دیوبند پڑھنے گیا تو میرے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ دیوبند کے قیام میں بھی کتابیں خریدنے کا سلسلہ رہا۔ ٹیوشن پڑھانے کی جو آمدنی ہوتی اس سے کتابیں خریدا کرتا تھا۔ غرض کہ میں ایسا مولانا نہ تھا جس کے پاس کتابیں نہ ہوں۔ اب بھی میرے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ اسی سہارے پر فتاویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دیوبند میں داخلہ

۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہو گیا۔ پہلے سال مجھے ہدایہ اوّلین، جلالین شریف، مقاماتِ حریری، ملا حسن، میبذی، سراجی پڑھنے کو ملی۔ دوسرے سال بیضاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین پڑھی۔ تیسرے سال دورہ حدیث شریف پڑھا۔ میرے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مولانا سید اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب، مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ، مولانا

جلیل احمد صاحب کیرانویؒ، مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ وغیرہ حضرات ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں میں نے درسی کتابوں میں سے کوئی کتاب بلا اس کی عربی شرح کے مطالعہ کے نہیں پڑھی۔ حد یہ ہے کہ دورہ حدیث شریف جیسی مشغولیت کے سال میں فتح الملہم شرح نوودی، اوجز المسالک، فتح القدیر، عینی شرح ہدایہ کو میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ طحاوی شریف سے مجھے بہت دلچسپی تھی، اس کے اسناد اور مکررات کو حذف کر کے مختصر الطحاوی ترتیب دی تھی۔ ۱۳۷۳ھ میں میں نے دورۂ حدیث سے فراغت کی۔

دورہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد میری شادی نہٹور کے ایک صوفی منش شاہ محمد یٰسین صاحب کے مرید ملا سلیم اللہ صاحب کی بیٹی مسماۃ طاہرہ سے ہوگئی تھی۔ لیکن میری تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ دورہ حدیث کے بعد میں نے دارالافتاء دیوبند میں داخلہ لیا۔ اسی سال شام کے وقت حکیم سید محفوظ علی صاحب سے طب پڑھی اور عملاً ان کے مطب میں کام کیا۔ مرحوم ہی نے کوشش کر کے میرا رجسٹریشن کرا دیا تھا۔ اسی سال میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا۔ ٹھیک ایک سال تک ان سے تعلیم سلوک حاصل کی۔ ۱۳۷۴ھ میں انھوں نے مجھے اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی۔ اور اپنی مستعمل ٹوپی مرحمت فرمائی۔ (اب یہ ٹوپی اور بزرگوں کے کچھ تبرکات راقم الحروف کے پاس ہیں)۔

وہ رندہوں میں جس کے لئے شیخ حرم نے ۔۔۔ راتوں کھلے بابِ حرم چھوڑ دیئے ہیں

ملازمت اور مطب

دارالافتاء اور مطب سے فارغ ہوکر میں چند مہینے قاری عبدالرحمٰن صاحب کے مدرسہ رحمانیہ میں مدرس رہا۔ اس کے بعد اپنے وطن چلا آیا اور یہاں آکر میں نے اپنا مطب شروع کر دیا۔ اس دن میرے پاس پانچ روپئے تھے، دو روپیہ تو گھر کے خرچ کے لئے اپنی اہلیہ کو دے دئے اور دو روپئے کی دوا لے آیا ایک روپیہ باقی رہا، اب مجھے روزانہ پانچ روپئے کی مزدوری ہونے لگی۔

مطب اور زندگی کے تمام شعبوں میں میری اہلیہ نے میری بہت مدد کی۔ اگر دیکھا جائے تو میرے تمام مشاغل مدرسہ، فتاویٰ نویسی، تصنیف و تالیف اور سبھی کاموں میں وہ بہت زیادہ معین رہیں۔ بظاہر ان کاموں کی نسبت میری طرف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ

سب کام اس رابعہ صفت خاتون کے مرہونِ منت ہیں۔ میرے والد اور تائے نابینا تھے۔ اور تائے لاولد بھی تھے۔ ان کی خدمت اور گھر کا کام اور تمام معاملات کو پورا کرنا کلمۂ طیبہ کے سیکڑوں نصاب اس نے پورے کئے۔ قرآن شریف بلا ناغہ اور تسبیحات اور معلوم نہیں کیا کیا اتنا پڑھا اور پڑھتی ہے۔ (أطال اللّٰهُ بقاء ها) کہ میں شمار سے عاجز اور حیران ہوں کہ یہ عورت کس طرح پڑھتی ہے؟ رات کو میرے ساتھ بیدار ہو جانا، دن بھر بچوں اور گھر کا کام کاج، صاحبِ کشف اور کرامات خاتون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر تمام نعمتوں کو مکمل کر دیا ہے۔ کیا کروں میں ہی ناقدرداں رہا ؎

ان کے اَلطاف کریمی ہزاروں ہیں تجھ پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

میں نے زیادہ سے زیادہ چھ مہینہ مطب کیا ہوگا کہ دیوبند گیا تھا کہ حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا: بجنور چلے جاؤ، میں یہاں یتیم خانہ بجنور میں نائب مہتمم کی حیثیت سے آیا تھا۔ ساٹھ روپے ماہانہ میری تنخواہ مقرر ہوئی۔ یہ بات غالباً ستمبر ۱۹۵۷ء کی ہے۔

بجنور میں مدرسہ "مدینۃ العلوم" کا قیام

بجنور اسی ضلع کا صدر مقام ہے اس شہر میں تین محلے بہت بڑے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت کے ہیں، قاضی پاڑہ، چاہ شیریں اور مردھگان۔ یہاں مسلمانوں کے صرف دو ادارے تھے اور ہیں مسلم یتیم خانہ، مسلم انٹر کالج، تیسرا مدرسہ رحیمیہ، جو عرصۂ دراز سے تقریباً بند ہی تھا۔ غرض کہ عربی کی تعلیم کا یہاں کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے بالکل ذاتی طور پر اپنے رہنے کی جگہ میں اِدھر اُدھر پھرنے والے بڑے لڑکوں کو ترغیب دے کر پڑھانا شروع کیا۔ سال بھر میں مدرسہ کو شہرت حاصل ہوگئی اور باہر دیہات سے بھی لڑکے پڑھنے آنے لگے۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ باہر کے طلبہ کو یتیم خانہ میں رکھنے سے کچھ گریز سا ہوا۔ اس لئے مشورے کے بعد میں نے اپنا مدرسہ جامع مسجد قاضی پاڑہ میں منتقل کر لیا (اور اس کا ایک تکلیف دہ پس منظر ہے اللہ تعالیٰ مرنے والوں کی مغفرت فرمائے اور جو زندہ ہوں ان کو ہدایت دے) اس وقت مجھے ایک کمرہ کا ساٹھ روپے ماہانہ کرایہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ہاں اتنا اور عرض کردوں کہ حضرت

مدنی کی نسبت سے میں نے اس مدرسہ کا نام **"مدرسہ مدینۃ العلوم"** رکھا۔ میں نے مسجد سے متصل جو حجرہ اور کمرہ تھے کرایہ پر لے لئے تھے۔ اس طرح میں نے یہاں آٹھ سال تک پڑھایا۔ ۱۹۶۷ء میں مجھے اس جگہ کو چھوڑ نا پڑا اور محلّہ مردھگان میں کرایہ کا ایک مکان لے کر وہاں کام شروع کر دیا۔ اور اس کا بھی ایک تکلیف دہ پس منظر ہے۔ (اللہ تعالیٰ مرنے والوں کی مغفرت فرمائے اور جو زندہ ہوں ان کو ہدایت نصیب فرمائے)

گردشِ ایام تیرا شکریہ ہم نے ہر پہلو سے دُنیا دیکھ لی

اس جگہ میں اپنے بعض تجربات لکھنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) اگر کسی بھی طے شدہ معاملے سے فریق ثانی ہٹ جائے یا گریز کرے تو اس معاملے کی پابندی کرنے کے لئے ضد نہ کرنی چاہئے، ورنہ سنگین نقصانات ہوں گے۔

(۲) اگر کسی جماعت سے تعلق ہے تو وہ قائم رہنا چاہئے، جماعت کو نہ چھوڑنا چاہئے، ورنہ سنگین نقصانات ہوں گے اور سنگین پریشانیوں کا منھ دیکھنا پڑے گا۔

مثل مشہور ہے کہ بارہ سال میں تو کوڑی کے بھی بھاگ کھل جاتے ہیں۔ ٹھیک دس بارہ سال حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی اس یادگار کو اِدھر اُدھر لئے پھرتا رہا۔ آخر اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ایک زمین خرید کر مدرسہ تعمیر کر دیا۔ اب بحمد اللہ مدرسہ اپنی تعمیر میں ہے۔ اور دین کا کام چل رہا ہے۔

یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ تعمیر مدرسہ میں میری اہلیہ برابر کی شریک ہے۔ اس نے اپنا تمام زیور مدرسہ کی زمین خریدنے کے لئے مجھے دیدیا تھا۔ ہمارے گھر کی چہار دیواری بھی نہ تھی، کواڑ بھی نہ تھے۔ میری اہلیہ اپنے بچوں کو لئے اسی میں رہتی رہی۔ اور دو نابیناؤں کی خدمت کرتی رہی۔ دورانِ تعمیر جب میں ایک دن گھر گیا تو میری اہلیہ نے رو کر کہا۔

"اگر دنیا میں قسمت میں ایک جگہ رہنا نصیب نہیں ہے تو کیا ہوا،
آخرت میں ضرور ہوگا، آپ دین کا کام کرتے رہیں، ہماری فکر نہ کریں"۔

۱۹۶۰ء میں ایسا اتفاق ہوا کہ میری چھوٹی بچی سڑک پر کھیل رہی تھی کہ ایک جیپ سے ٹکر ہوگئی اور پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تب میری اہلیہ ایک رشتہ دار کو ہمراہ لے کر بجنور ہسپتال پہنچی،

بعد مغرب مجھے علم ہوا تو میں اسپتال پہنچا۔ بحمد اللہ علاج کے بعد بچی ٹھیک ہوگئی، اس وقت سے لے کر آج تک سب بچے میرے پاس اور میرے ساتھ رہتے ہیں۔

میرے مشاغل چار قسم کے ہیں: (۱) پڑھانا۔ (۲) مدرسہ کے لئے چندہ کرنا۔ (۳) فتاویٰ نویسی، تصنیف و تالیف۔ (۴) گھر کے اور مدرسہ کے انتظامات اور بس۔

تصنیف وتالیف

میں نے کبھی کسی سے لکھنا نہیں سیکھا، اتفاق سے جب میں بجنور آیا تو غالباً اکتوبر ۱۹۵۶ء میں مدینہ اخبار بجنور کے سیرت نمبر میں پروفیسر محمد اجمل (پرائیویٹ سکریٹری مولانا آزاد) کا مضمون سیرتِ قرآنیہ کے نام سے چھپا تھا۔ اس میں بعض باتیں قابل اعتراض تھیں، مثلاً: قرآنِ پاک کو فکر نبوی ﷺ اور ترتیب قرآن کو سرکاری ترتیب یعنی حضرت عثمان غنیؓ کی ترتیب قرار دیا تھا۔ اس کا جواب میں نے لکھا۔ یہ پہلا قلمی مضمون تھا۔ جب اس کا ذکر میں نے حضرت مدنیؒ سے کیا تو انھوں نے فرمایا: اور لکھنا چاہئے۔ پھر میں نے تین قسطوں میں جواب الجواب لکھا۔ اس کے بعد بیرسٹر محیی الدین اس میں شریک ہوئے اور پھر غالباً ایک ڈیڑھ سال یہ سلسلہ چلا تھا۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کا وصال ہوگیا تو اس سے متأثر ہوکر میں نے ایک مضمون چند قسطوں میں ''انفاسِ قدسیہ'' کے نام سے لکھا۔ کم از کم چھ مہینہ یہ سلسلہ رہا۔ یہ مضمون بہت پسند کیا گیا۔ اور سید اختر مرحوم ایڈیٹر مدینہ نے اس کو کتابی شکل میں منتقل کرنے کا میرا بہت تعاون کیا۔ انھیں کے تعاون سے میری پہلی کتاب انفاسِ قدسیہ چھپی، اور چند ایڈیشن اس کے شائع ہوئے اس کے بعد سلسلہ جاری ہوگیا جس کی فہرست یہ ہے:

(۱) انفاسِ قدسیہ — (۲) تذکرہ شیخ الہند
(۳) تذکرہ مشائخ دیوبند — (۴) حیاتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ
(۵) سیرتِ خیر العباد (ترجمہ زاد المعاد چار جلدوں میں)
(۶) سیرتِ رسالت مآب — (۷) سیرتِ اصحاب النبیؐ
(۸) مخدوم صابر کلیری — (۹) شرح معانی الآثار (مذہب مختار)
(۱۰) وصایا — (۱۱) آخری رسولؐ

(۱۲) تذکرہ شیخ عبدالقادر جیلانی (۱۳) محبت والے
(۱۴) تفسیر تقریر القرآن (۸/جلدمیں) (۱۵) تاریخ الاحکام
(۱۶) تقصیرات تفہیم القرآن (۱۷) ولی کامل (تذکرہ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ)
(۱۸) تذکرہ مولانا یوسف صاحبؒ (۱۹) عزیز المفتی (مجموعہ فتاویٰ زیر طبع)
(۲۰) ترجمہ بستانِ ابواللیث سمرقندی (غیر مطبوعہ)
(۲۱) مودودی صاحب اوران کی جماعت (غیر مطبوعہ)
(۲۲) تاریخ الجن والسحر (۲۳) سیرتِ سید المرسلین
(۲۴) اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول
(۲۵) دریا بکوزہ، وغیرہ۔

معلوم رہے یہ سب کتابیں کسی سرمائے کے بل پر طبع نہیں ہوئیں، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا اسباب پیدا کئے "تفسیر تقریر القرآن" جس قدر طبع ہوئی اور ہوگی وہ سیٹھ محمد مصطفےٰ اٹالین بیکری احمد آباد اور جناب لئیق احمد صاحب مدراس کی مرہونِ منت ہے۔ کتابوں کی تعداد مختلف مضامین اور فتاویٰ دیکھ کر مولانا اسعد مدنی صاحب نے ایک دفعہ فرمایا تھا" آپ کے مرنے کے بعد لوگ حساب لگائیں گے کہ آپ کی لکھی سطریں زیادہ ہیں یا آپ کی عمر کے منٹ"۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ نے (جب وہ میرے مدرسہ میں آئے تھے) فرمایا تھا" یہ مدرسہ اور آپ کی کتابیں اور چندہ اور پڑھانا دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ آپ نے وقت کی بھی کھال کھینچ ڈالی"۔

میری ذُرّیات

میرے یہاں چھ بچے ہوئے۔ بحمد اللہ سب سلامت اور باعافیت ہیں۔ یہ سلامت رہیں ہزار برس، ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار۔ دولڑکیاں اور چار لڑکے۔ میری بڑی لڑکی مولوی ہے اور عیال دار ہے۔ اسی طرح دوسری لڑکی مولوی تو نہیں مگر مولوی سے کم بھی نہیں، عیال دار ہے۔ دو بڑے لڑکے مولوی و مفتی ہیں۔ بڑے سے چھوٹا لڑکا عالم کے علاوہ گریجویٹ ہے اور مشینری کا انجینئر بھی ہے۔ بڑا لڑکا عیال دار ہے۔ تیسرا لڑکا ماسٹر ہے اور عیال دار ہے۔ چوتھا لڑکا شادی شدہ ہے اور ایک لڑکا ہے۔

(۱) میرے یہاں سب سے پہلے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام میں نے بہت غور و فکر کے بعد ''عابدہ'' رکھا۔ تاریخ پیدائش: ۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ، مطابق: ۲۴/ اپریل ۱۹۵۷ء دن چہار شنبہ قبل غروبِ آفتاب۔ اس کو میں نے بڑے شوق اور محنت سے پڑھایا۔ قرآن شریف اپنی ماں سے پڑھا۔ اس کے بعد عربی فارسی درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ ارادہ تھا کہ اس کے ذریعہ عورتوں میں تعلیم دین کو رائج کروں گا۔ مگر سوئے اتفاق دوسرے بچے کی پیدائش سے بیمار رہنے لگی۔ ماشاء اللہ گیارہ بچے ہیں۔ سب بڑے ہو چکے ہیں اب وہ نانی ہوگئی ہے۔

(۲) اس کے بعد ۵/ نومبر ۱۹۵۹ء مطابق: ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ دن پنجشنبہ دوسری لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام ''عبیدہ'' ہے۔ اور تاریخی نام ''فضیلت بانو'' ہے۔ اس نے قرآن شریف اپنی ماں سے پڑھا، باقی دینی تعلیم اور عربی فارسی میں نے پڑھائی۔ اس کی شادی میں نے اپنے رشتہ داری میں غازی آباد میں کردی تھی۔ ماشاء اللہ دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، یہ بھی نانی ہو چکی ہے۔

(۳) اس کے بعد ۲۹/ دسمبر ۱۹۶۱ء مطابق: ۱۳۸۱ھ کو میرا بڑا لڑکا عبید الرحمٰن پیدا ہوا۔ تاریخی نام ''فروغ الدین'' ہے۔ مجھ سے موقوف علیہ، دورۂ حدیث تک پڑھا، پھر جامعہ فتحپوری دہلی سے فارغ التحصیل ہوا۔ اُردو میں ادیب کامل تعلیم حاصل کی۔ اس کے چھ بچے ہیں، تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ کاروباری ہونے کے باوجود علمی ذوق رکھتا ہے۔

(۴) اس کے بعد ۴/ اپریل ۱۹۶۴ء، مطابق: ۲۰/ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ کو دوسرا لڑکا عابد الرحمٰن پیدا ہوا۔ موقوف علیہ، دورۂ حدیث شریف تک مجھ سے پڑھ کر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ التحصیل ہوا۔ اور میرے پاس مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کا کہنا ہے:

ابا! ہمارا گھر ہندوستان میں علم کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ میں آپ کی امانت مدرسہ کی خدمت کروں گا''۔

پھر اس کو فتاویٰ نویسی کا شوق پیدا ہوا۔ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور بذریعہ ٹرین روز آنہ جانا، دن بھر وہاں فتاویٰ نویسی سیکھنا اور رات کو گھر آجانا، ایک سال تک یہی معمول رہا۔

ساتھ ساتھ مدرسہ میں بھی برابر پڑھاتا رہا۔ الیکٹرانک کا انجینئر، انورٹر، کمپیوٹر وغیرہ کا اچھا مستری ہے، گریجویٹ ہے۔ دونوں بھائیوں کو میری جانب سے اجازتِ بیعت اور خلافت حاصل ہے۔ دونوں ذاکر اور شاغل ہیں۔

(۵) اسکے بعد تیسرا لڑکا عباد الرحمٰن، ۱۵/ مارچ ۱۹۶۷ء مطابق: ۳/ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ کو پیدا ہوا۔ جس دن وہ پیدا ہوا اسی شب میں نے ایک خواب دیکھا کہ خواجہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا: آپ کے لڑکا پیدا ہوگا، اس کا نام غیاث احمد رکھنا، چنانچہ نام تو اس کا عباد الرحمٰن ہی ہے لیکن عرفیت میں ''غیاث'' مشہور ہے۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی، اب سرکاری ماسٹر ہے۔ اس کے تین بچے ہیں، دو لڑکی ایک لڑکا۔ سب سے چھوٹا اور سب کے اخیر میں ایک لڑکا پیدا ہوا، تاریخ پیدائش: ۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء، مطابق: ۶/ شوال ۱۳۹۰ھ۔ اس کے ایک بچہ ہے۔ یہ میرا چھوٹا سا کنبہ ہے۔

یہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سود اور غربت اور صدقہ

دنیا بھر کے مفکرین اور ماہرین اقتصادیات نے بہت ہنر اور جتن چلے ہیں کہ غربت دور ہو اور سرمایا داری ختم ہو لیکن وہ سودی لعنت کو ختم نہیں کر سکے سود ایک ایسی مقناطیسی کشش رکھنے والی لعنت ہے کہ جس سے افراد کی نہ سہی طبقات کی تجوریاں پھر سے پُر ہونے لگتی ہیں اور غریب کے حق میں یہ ایک ایسا گھن اور جونک ہے کہ غیر محسوس طور پر اس کو چوستا رہتا ہے۔ اسلام کے یہاں سودی قرضہ کی جگہ امداد کے لئے صدقات کی مختلف اقسام ہیں، اسلام جہاں اغنیاً سے لینے کی تعلیم دیتا ہے اس سے زیادہ اغنیاء کو دینے کا عادی بناتا ہے، اور فقراء کو سوال سے روکتا ہے تاکہ اسلامی معاشرے میں کسی کا مقام گرنے نہ پائے۔

(حضرت والد صاحبؒ کی تصنیف "اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول" سے ایک اقتباس)